مولانا عبدالقدوس ہاشمی

مستشرقین کا طریق واردات اور استعمار کی حمایت

خدا کی رحمت | یہودیوں اور عیسائیوں کا واسطہ مسلمانوں سے بالکل ابتدائی دور میں ہوگیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے مکی دور ہی میں یہودی اور عیسائی دینِ اسلام پر اعتراضات کی ابتداء کر چکے تھے۔ اور مخالفت کرنے میں وہ قریش کے بت پرستوں کے ہمنوا تھے۔ مدینہ منورہ کے دس سالہ دور میں یہ مخالفت اور زیادہ شدت اختیار کر گئی خصوصاً یہودیوں کی مخالفت اور طرح طرح کی ریشہ دوانیوں سلسلہ برابر جاری رہا۔ قرآنِ حکیم کے وحی الٰہی ہونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی صادق ہونے کے خلاف طرح طرح کے اعتراضات اور جوابات کا ذکر موجود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت صدیقی وفاروقی میں ان لوگوں سے مسلمانوں کو ہر جگہ واسطہ پڑا۔ اور عراق وشام کی فتوحات نے تو آپس میں ایک دوسرے سے ملنے کی راہیں پوری طرح کھول دیں۔ عیسائی علماء مذہب نے اس زمانہ سے بطور مہم کے اسلام اور اس کی تعلیمات سے واقفیت پیدا کرنے اور قرآن مجید اور سیرتِ رسول ﷺ کے متعلق طرح طرح کے شبہات پیدا کرنے کی ابتدا کر دی تھی۔ مگر اس زمانہ میں ان کی طرف خود عیسائی بھی کچھ زیادہ توجہ نہیں کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بازنطینی حکومت کی سخت گیری کے مقابلہ میں مسلمانوں کی رواداری اور آزادی نے مفتوحہ علاقوں کی غیر مسلم آدمی کے لئے ایسی صورتِ حال پیدا کر دی تھی کہ لوگ مسلمان فاتحین کی آمد کو "خدا کی رحمت" سے تعبیر کرتے تھے اور اپنے متعصب مذہبی پیشواؤں کی طرف لوگ کم ہی توجہ کرتے تھے۔ اس زمانہ میں لوگ جوق درجوق مسلمان ہوتے جاتے تھے۔ مصر وشام کے عیسائی اور یہودی علماء اور پیشوایانِ مذاہب اس کے مقابلہ میں بے دست وپا ہوگئے تھے

ولید بن عبدالملک (۸۶-۹۶) کے دور میں کاشغر، بخارا اور سندھ فتح ہوگیا اور اس زمانہ میں اندلس بھی ممالکِ اسلامیہ میں شامل ہوا۔ اب اہلِ یورپ سے مسلمانوں کا براہِ راست تعلق قائم ہوگیا۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی یورپ کے زائرین بڑی تعداد میں بیت المقدس کنیسۂ قیامت اور ولادت گاہِ مسیح کی زیارت کے لئے جاتے تھے۔ بلکہ بہت سے یورپین طلبہ بیت المقدس اور دمشق میں رہ کر علم حاصل کرتے تھے۔ مگر ان کا تعلق اتنا گہرا اور ایسا وہ نہ ہوتا تھا جیسا کہ اندلس کی فتح کے بعد سے ہوگیا۔

عیسائیوں کا دجل وفریب | یورپ کے طالبانِ علم کا تعلق اور عیسائی و یہودی پیشوایانِ مذہب کی اسلام کے خلاف، علم فلسفہ اور تحقیقات کے نام سے، مساعی بالکل ابتدائی دورِ اسلامی ہی سے جاری تھیں اور آج تک جاری ہیں۔ اس لئے ہم تاریخ کے کسی خاص وقت کو اس جدوجہد کا نقطہ آغاز قرار نہیں دے سکتے۔ البتہ تاریخ کے مختلف ادوار میں اس کے طریقے بدلتے رہے۔ مقاصد میں اگرچہ کوئی بنیادی تبدیلی نہیں ہوئی۔ لیکن کلیسا کا زور ٹوٹنے کے بعد سے کچھ ایسے مستشرقین ضرور پیدا ہوئے جنہوں نے جرأت کے ساتھ اپنے ہی اساتذہ کی پھیلائی ہوئی بہت سی باتوں کو غلط قرار دیا۔ اور پوری قوت کے ساتھ ان کی تردید کی۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ کہ اس تردید سے ان کا مقصد سچ کو سچ کر کے دکھانا تھا یا خود اپنی طرف سے پیدا کئے ہوئے شکوک کو قابلِ قبول قرار دینا تھا اس لئے کہ ان تردید کرنے والوں میں سے اکثر نے جہاں اپنے پیش رو مستشرقین کے کذب و افترا کی پوری قوت کے ساتھ تردید فرمائی ہے۔ وہاں اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ نئے شبہات بھی پیدا کر دئے ہیں اور اپنی معصومیت کے ساتھ دبی زبان میں کوئی نہ کوئی نئی بات کہہ گئے ہیں کہ پڑھنے والوں کو ان کی نیت پر کوئی شبہ بھی پیدا نہ ہو سکے۔

مثلاً لندن یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر علامہ ڈینس سورا اپنی کتاب "تاریخ الادیان" میں قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بے وسروپا اعتراضات اور اپنے ماقبل کے مستشرقین کی پھیلائی ہوئی جھوٹی باتوں کی پوری قوت کے ساتھ تردید کرتے ہیں۔ یہ کتاب ۱۹۳۲ء میں لندن سے شائع ہوئی ہے۔ وہ اپنے بیان میں اس قدر غیر متعصب اور بے لاگ مصنف نظر آتے ہیں۔ کہ کسی کو ان کی نیت پر شبہ کرنے کی گنجائش نظر نہیں آتی بلکہ وہ اچھے خاصے عقیدت مند کی طرح بیان کرتے ہیں کہ:۔

> "مذاہب کے عظیم بانیوں میں سے شاید محمدؐ ایک ہی شخص ہیں۔ جن کی شخصیت تاریخی حیثیت سے بالکل واضح ہے اور خرافات نے ان کی شخصیت پر کوئی پردہ خفا نہیں ڈالا ہے۔"

اور اس کے بعد عقیدت مندانہ انداز میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کارناموں کی تعریف کرتے ہیں بلکہ خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں لیکن اس کے بعد یہ بھی کہتے ہیں کہ:۔

> "بلاشبہ عرب کے لوگ جنوں اور روحوں کی پوجا کرتے تھے۔ اور روحوں کے حجری مجسموں میں جاگزیں ہونے کے قائل تھے۔ ان کے علاوہ قبیلہ قبیلہ کے الگ الگ بت بھی ہوتے تھے۔ اسلام نے ان سب بتوں کو نیست و نابود کر دیا۔ صرف ایک حجرِ اسود کو باقی رکھا شاید اس لئے کہ اس سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا احترام مقصود تھا یا شاید یہ ایک سیاسی عمل تھا جس کے ذریعہ عربوں کے باہمی اتفاق کو باقی رکھنا مقصود رہا ہو۔"

(صہ ۱۲۲۔ المستشرقون والاسلام مصنفہ زکریا ہاشم زکریا طبع القاہرہ ۱۹۶۵ء)

آپ نے دیکھا کہ فاضل پروفیسر نے کس معصومیت کے ساتھ یہ یقین دلانے کی سعی فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاسی مصلحت کی بنا پر ایک "بُت" کو باقی رکھا اور اس حد تک بت پرستی کو اسلام میں جائز قرار دیا۔ حالاں کہ زمانۂ جاہلیت میں بھی جب کہ سینکڑوں بت تھے کبھی حجرِ اسود کو بتوں کے زمرہ میں شمار نہیں کیا گیا اور نہ کبھی اس کی پوجا کی گئی۔ حجرِ اسود کا ذکر ہی کیا اٹھارھویں صدی تک یورپ کے مستشرق اور محققین یہ لکھتے رہے کہ مسلمان جو حج کو جاتے ہیں وہ اس لئے جاتے ہیں کہ خانہ کعبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک برنجی بُت بنوا کر رکھ دیا ہے۔ مسلمان اس بت کو سجدہ کرنے کے لئے جاتے ہیں۔ اٹھارھویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے اوائل میں خود علمائے یورپ نے اس کی تردید کی۔ اور ایک بار نہیں بار بار مختلف ممالک کے علماء نے اس کی تردید کی تب یہ خیال لوگوں کے دلوں سے محو ہو سکا یا شاید اب بھی دور افتادہ دیہاتوں میں یہ خیال موجود ہو۔

مستشرقین کی مساعی جمیلہ | بہر حال جیسے جیسے علم کی روشنی پھیلتی گئی۔ عربی کی کتابیں یورپ کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر شائع ہوتی رہیں۔ اور یہ انتہائی ناحق شناسی ہوگی کہ عربی کتب کے اصل مضمون کی تصحیح و اشاعت اور ان میں سے بہت سی کتابوں کے یورپین زبانوں میں ترجمہ کرنے کے جو عظیم الشان خدمت پچھلے پانچ سو سال کے اندر یورپ کے مستشرقین نے انجام دی ہے اس سے انکار کیا جائے۔ یا ان کو کمتر درجہ کا کارنامہ قرار دیا جائے۔ اس کے لئے سینکڑوں مستشرقین نے اپنی عمریں صرف کیں۔ حکومتوں اور بادشاہوں نے لاکھوں روپے خرچ کئے۔ دولت مندوں نے بڑے بڑے اوقاف قائم کئے۔ اور آج عربی کی بڑی بڑی اہم کتابیں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں ان میں سے بہت سی کتابیں وہی ہیں جو مستشرقین کی مساعی جمیلہ سے پہلی بار طبع ہو کر ہمارے ہاتھوں آئی ہیں۔ اس طرح افترا پردازی کا وہ بادل بھی آہستہ آہستہ چھٹتا رہا ہے جو صدیوں تک قدیم مستشرقین اور پیشوایانِ مذاہب کے بیانات اور ان کی تحریروں سے یورپین ذہنوں پر چھایا ہوا تھا۔ اب تحریروں کے انداز اور مستشرقین کی تحقیقاتِ اسلامی کا طریقہ کسی نہ کسی قدر بدلا ہوا نظر آتا ہے۔ اگرچہ اب بھی مقاصد میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں دکھائی دیتی۔

پادری زویمر کی "تحقیقاتِ اسلامی" اور ڈاکٹر کینٹویل اسمتھ کی "تحقیقات" میں مقاصد کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ملتا۔ دونوں کی تحقیقات کو دیکھ لیجئے مقصد وہی استعماریت کی تائید اور مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانے کی سعی ہے۔

چار ادوار | مستشرقین یورپ کی اسلامی تحقیقات کو ہم سہولتِ مطالعہ کے لئے چار ادوار میں تقسیم کرتے ہیں:-

۱۔ پہلا دور ابتدائے تاریخ اسلامی یعنی ساتویں صدی مسیحی یا گریگوری سے لے کر پندرھویں صدی مسیحی یعنی

بیداری یورپ تک۔

۲۔ دوسرا دور پندرھویں صدی کی ابتداء سے اٹھارھویں صدی کے اختتام تک۔

۳۔ تیسرا دور انیسویں صدی کی ابتداء سے بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی کے ختم یعنی ۱۹۲۵ء تک۔

۴۔ چوتھا دور ۱۹۲۶ء سے آج تک۔

دورِ اول میں یورپ کی حیثیت شاگردوں کی سی ہے۔ اور مسلمانوں کی حیثیت استادوں کی سی۔ یہ دور تقریباً آٹھ سو سال کے طویل زمانہ پر مشتمل ہے۔ اس دور میں مسلمان اندلس میں صقلیہ میں اور جنوبی ایطالیہ میں حاکمانہ حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے بڑے بڑے علماء اور فلسفی ان علاقوں میں موجود تھے۔ اس وقت علم اور تمدن کے مالک مسلمان تھے ان ہی کی تہذیب تھی اور ان ہی کے علوم، علوم شمار کئے جاتے تھے۔

اس دور میں عیسائیوں اور خصوصاً یورپ کی ساری علمی زندگی پر ارباب کلیسا کا قبضہ تھا۔ پاپائے اعظم اور ان کے نائبین مسلمانوں سے مختلف علوم حاصل کرنے کی سعی کرتے تھے۔ اور عربی کتب و رسائل جمع کرتے تھے۔ اسلامی قوانین کا تھوڑا بہت مطالعہ اس دور کے آخری حصہ میں کیا گیا۔ طب، فلسفہ، فلکیات، زراعت اور قانون پر مسلمانوں کی تصانیف کا ترجمہ لاطینی اور فرانسیسی زبانوں میں ہوا۔

ابن رشد اور جابر بن اسحاق اور ابن سینا کی کتابوں کے ترجمے کئے گئے۔ یہ کام عموماً ایطالیہ میں اور کسی قدر فرانس میں ہوا لیکن نہایت دانائی کے ساتھ فارابی کو "فاربس"۔ ابن رشد کو "ایوی روس" جابر کو "جیبر" اور ابن سینا کو "اوی سینا" بنا دیا گیا۔ اور طلبہ کو یہ کبھی نہیں بتایا کہ یہ لوگ یورپین عیسائی نہیں بلکہ مسلمان تھے۔ اگرچہ یہ راز زمانۂ مابعد میں راز نہ رہ سکا۔ لیکن یورپ کے کچھ نہ کچھ لوگ اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ یورپین تھے اور مذہباً مسیحی تھے۔

اس دور میں مسلمانوں اور دین اسلامی سے متعلق بڑے بڑے عجیب و غریب ہیبت ناک قصے ارباب کلیسا کی طرف سے پھیلائے گئے۔ کچھ مسلمانوں کی سفاکی کے قصے اور کچھ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بے سرو پا افسانے خوب خوب گھڑے گئے اور اسی زمانے میں یورپ والوں کو یہ باور کرایا گیا کہ مسلمان مکہ میں رسول اللہ کے برنجی بت کو سجدہ کرنے کے لئے جاتے ہیں۔

اسی دور کا ایک بڑا فاضل اے تور میدا بھی ہے جس نے ایطالیہ میں تعلیم حاصل کی۔ بہت دنوں تک عیسائی خانقاہ کا مرشد اعلیٰ رہا۔ اس کے بعد تونس چلا گیا۔ وہاں صدقِ دل سے مسلمان ہو گیا اور عبداللہ کے نام سے مشہور ہوا۔ وہاں تقریباً اسی سال کی عمر میں ۱۴۳۲ء میں وفات پائی۔ اس کی قبر تونس میں باب المنارہ میں ہے (حوالہ سابق صہ ۱۴۲)

شیخ عبداللہ تورمیدا کے علاوہ اور بہت سے اطالوی اور فرنسیسی مستشرقین نے مطالعہ کے ذریعہ دین حق کو پالیا۔ اور مسلمان ہو گئے۔ ان میں سے بعض نے اسلام پر لاطینی اور فرنسیسی میں کچھ رسالے بھی لکھے تھے۔ خدا جانے کہ یہ رسالے اب کہیں موجود ہیں یا ضائع کر دیئے گئے۔

۲۔ دوسرا دور جو یورپ کی بیداری پندرھویں صدی مسیحی سے اٹھارھویں صدی کے ختم تک تقریباً ۴۰۰ سال پر مشتمل ہے۔ دولت عثمانیہ ترکی کی اقبال مندی کا زمانہ ہے۔ ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور بہت سے ممالک یورپ کے عثمانیوں کے زیر نگیں آ گئے۔ اس دور میں ان کا لب ولہجہ بھی اسلاف کے خلاف بہت ہی تلخ ہو جاتا ہے۔ یہ تلخی عثمانی فتوحات کے خلاف جذبات نفرت کی پیداوار ہے۔

اس دور میں یورپین اقوام نے مشرق کی سرزمین ایشیا، افریقہ پر قبضہ جمایا۔ مستعمرات اور یورپین مقبوضات کا یہی زمانہ ہے۔ انڈونیشیا، ملایا، ہندوستان، سومالیہ اور جنوبی اور مغربی و مشرقی افریقہ پر، نیدرلینڈ، فرانس، جرمنی برطانیہ اور اطالیہ کے تسلط کی ابتداء اس دور میں ہوئی۔ جن علاقوں پر ان استعمار پسندوں نے قبضہ کیا تھا ان میں سے اکثر میں مسلمانوں کی بڑی ہی نہیں بلکہ اکثریت کی آبادیاں تھیں۔ قبضہ اور تسلط قائم رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ ان کی زبانیں سیکھی جائیں۔ ان کے عقائد و روایات سے واقفیت حاصل کی جائے۔ ان کے ایمان و عقیدہ کو وہم اور غیر ثابت شدہ حقیقت قرار دیا جائے۔

ان مقاصد کے لئے یورپین ممالک خصوصاً فرانس و جرمنی نے بڑی جدوجہد کی۔ اس وقت ان کے سامنے اہم ترین مسئلہ ایک یہ بھی تھا کہ دولت عثمانیہ کی قوت کو کسی طرح توڑا جائے۔ اس کام کے لئے یہ ضروری تھا کہ عربوں اور ترکوں کے مابین منافرت اور دشمنی پیدا کر دی جائے اور نہ صرف پیدا کر دی جائے بلکہ اس منافرت کو دوامی صورت دے دی جائے۔ اس مقصد کے لئے فرانس کے بادشاہ لوئی چاردہم نے بے دریغ دولت صرف کی مستشرقین اور مشرق شناسوں کو بڑی بڑی رقمیں دے کر ان سے عربی قومیت، عربی تمدن، عربی رسم و رواج اور عربوں سے متعلق دوسرے امور پر کتابیں لکھوائی گئیں۔ عربوں کی تعریف و توصیف کے گیت گائے گئے۔

اس زمانہ کے مستشرقین کا بہت بڑا طبقہ یہ باور کرانے کی دھن میں لگا ہوا نظر آتا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب بڑی عزت و شان کے مالک تھے۔ اسلامی تاریخ عربوں کے مجد و شرف کی تاریخ کا محض ایک باب ہے۔ اب تک جتنی تاریخیں لکھی جا چکی تھیں وہ مسلمانوں کی تاریخ ہوتی تھی۔ عربوں کی تاریخ الگ کوئی نہیں لکھتا تھا۔ لیکن اس دور کی آخری دو صدیوں میں عربوں کو ترکوں کے خلاف کرنے کی منظم جدوجہد یورپین حکومتوں نے مستشرقین کے ذریعہ شروع کی۔ عربی ممالک میں تحقیقاتی وفود کی ابتداء ہوئی۔ آثار قدیمہ نکالے جانے لگے۔ اور عربوں کو وطنی قومیت کے لئے تیار کیا جانے لگا جس کا نتیجہ تقریباً سو سال کے بعد بیسویں صدی کے اوائل میں خاطر خواہ نکلا۔

اس دور کی آخری دو صدیوں میں اسلام کے خلاف کتابوں اور رسالوں کی تالیف و اشاعت کا کام ایطالیہ اور فرانس تک محدود نہ رہا۔ بلکہ ان ہی ممالک میں تعلیم حاصل کرنے والوں کے ذریعہ یورپ کے دوسرے ممالک تک پھیل گیا۔ خصوصاً جرمنی اور نیدرلینڈ میں مطابع قائم ہوئے۔ اور لوگ اس سلسلہ میں کام کرنے لگے۔ آخر میں انگلستان میں تعلیمی اشاعتی ادارے قائم ہو گئے۔

یہی وہ زمانہ ہے کہ جب کلیسا کا طلسم ٹوٹا اور اس دور کے آخر میں کچھ ایسے مستشرقین بھی پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے پیشرو مستشرقین کی تردید کی اور ساتھ ہی کچھ نہ کچھ شبہات بھی پیدا کر دئے۔

تیسرا دور انیسویں صدی کی ابتداء سے ۱۹۲۵ء تک ہے اس دور میں عربوں اور ترکوں کے مابین منافرت پیدا کرنے کی مہم بہت تیز کر دی گئی۔ اسلامی کتابوں کے ترجمے بکثرت شائع ہوئے۔ اس زمانہ میں تحقیقات کے نام سے مسلمانوں کے اندرونی اختلاف اور جدید فرق اسلامیہ پر بہت سی کتابیں تصنیف کی گئیں۔

اس دور کے مستشرقین عربی متون کی تصحیح اور علوم ریاضیہ و تجربیہ کے تراجم کی اشاعت کے ساتھ ساتھ دو مقاصد کے لئے کام کرتے نظر آتے ہیں۔

اول۔ عربوں اور غیر عربوں میں تفریق کے لئے عربوں کی تعریف و توصیف اور غیر عرب مسلمانوں پر الزامات کا التزام اور (دوم) مسلمانوں کی روایات اور ان کی تاریخ کو ناقابلِ اعتبار قرار دینے کی مساعی۔

مشہور پروفیسر پامر اور ان کے نامی گرامی شاگرد کرنل لارنس آف عربیا اسی دور کے بزرگ ہیں۔

چوتھا دور جو ۱۹۲۶ء میں امیر کا تیانی کی وفات سے اب تک ہے۔

اس دور میں تحقیقات اسلامی کا دائرہ فقہ، اصول فقہ تک وسیع ہو گیا اسلامی فرقوں کے حالات اور ان کے افکار کی طرف توجہ بڑھا دی گئی ہے۔ اس دور میں ایک بات یہ بھی پیدا ہو گئی کہ بڑی حکومتیں خدا بیزاری اور مذہب سے نفرت کے اصول پر قائم ہوئیں۔ اس کی طرف توجہ ۱۹۲۵ء کے بعد سے ہوئی۔ اور ۱۹۴۵ء کے بعد تو خدا بیزار مملکتوں کا مسلسل پروپیگنڈا خود عیسائیت کے لئے بلکہ دنیا کے تمام مذاہب کے لئے ایک مستقل خطرہ بن گیا۔ اس لئے باستثنائے چند مستشرقین یورپ کا لب و لہجہ اسلام کے خلاف یاوہ گوئی میں نسبتاً نرم ہو گیا۔ اور اس وجہ سے مذاہب کی کانفرنسوں، تقریروں اور مقالات صلح و آشتی میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اگرچہ اس صورت حال کا اثر سب پر نہیں پڑا۔

پادری سموئیل زویمر اور ان کے ہمنوا پوری طاقت کے ساتھ قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لکھتے رہے۔ وہ اپنے لب و لہجہ میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکے مگر پھر بھی دیگر مستشرقین کا ایک بڑا طبقہ اس خطرہ کو محسوس کر کے اپنی تحریروں کو مصلحتاً کسی قدر نرم کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔

مستشرقین کی اسلامی تحقیقات کا مقصد جو ان کی تحریروں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ استعمار کے لئے راستہ کی ہمواری اور مسلمانوں میں تفریق پھیلانے کی جدوجہد کے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا۔ اس مقصد کے لئے وہ بڑے خلوص اور تندہی سے کام کرتے ہیں۔ تحقیق کے نام سے منافقوں اور اسلام دشمن اشخاص کے قدیم اقوال ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالتے ہیں اور چونکہ عرب عیسائیوں اور یہودیوں کے اکثر نام مسلمانوں کے سے ہوتے ہیں اس لئے بڑی آسانی کے ساتھ وہ دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں مسلمان حکومتوں میں ہمیشہ سے آزادی رائے رہی ہے۔ اس لئے ہزاروں یہودیوں اور عیسائیوں نے طرح طرح کی فضول اور مضر تحریریں لکھی ہیں اور آج یہ تحریریں اسی طرح پیش کی جاتی ہیں۔ جیسے کسی مسلمان عالم دین کی کتاب لکھی ہوئی ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ متون کتاب کی طباعت واشاعت میں انہوں نے جو کام کیا ہے۔ فہرست سازی اور اشارہ نویسی میں جو محنتیں انہوں نے کی ہیں وہ لائق صد آفرین ہیں۔ ان کی محنت ومساعی سے بہت سی کم یاب اور قیمتی کتابیں چھپ کر ہمارے لئے قابلِ حصول ہو گئیں۔ لیکن جہاں انہوں نے ترجمہ وتحشیہ کا کام کیا ہے یا کوئی کتاب لکھی ہے۔ وہاں کبھی بالارادہ اپنے جذبہ عداوت کے ماتحت اور کبھی محض اپنی جہالت سے کتاب کو کیا سے کیا بنا کے رکھ دیا ہے۔ اور عجیب عجیب گل کھلائے ہیں۔

مثال کے لئے مشہور مستشرق فلوگل کو لیجئے۔ انہوں نے قرآن مجید کا ایک نسخہ چھاپا۔ الفاظ کی فہرست مرتب کی اور ۱۸۴۲ء میں ایک وسیع لغت الفاظ قرآن مجید کا شائع کیا اس لغت میں انہوں نے ۳۹ الفاظ کے غلط عربی مادے لکھے اور نتیجۃً معانی بدل دئے مثال کے لئے ان پانچ الفاظ کو دیکھئے۔

۱۔ اثخن کا مادہ "ا۔ث۔ر" قرار دیا۔ حالاں کہ اس کا صحیح مادہ فعل ث۔و۔ر ہے۔

۲۔ المخاص کا مادہ "خ۔و۔ض" حالاں کہ اس کا صحیح مادہ فعل م۔خ۔ض ہے۔

۳۔ استبقوا کا مادہ "ب۔ق۔ی" قرار دیا۔ حالاں کہ اس کا صحیح مادہ فعل س۔ب۔ق ہے۔

۴۔ وقرن کا مادہ "ق۔ر۔ن" قرار دیا۔ حالاں کہ اس کا صحیح مادہ فعل ق۔ر۔ر ہے۔

۵۔ مقیلا کا مادہ "ق۔و۔ل" قرار دیا۔ حالاں کہ اس کا صحیح مادہ فعل ق۔ی۔ل ہے۔

اس تبدیلی سے معانی بالکل بدل گئے یہ وہ مسٹر فلوگل ہیں جن کو مستشرقین کے نزدیک سند مستند کا مقام حاصل ہے۔

چونکہ ہمیشہ سے یہ اعتراض مسیحیت پر کیا جاتا رہا ہے کہ انجیل مقدس کے نام سے جو کتاب پیش کی جاتی ہے وہ حضرت عیسیٰؑ کی غلط اور فرضی سوانح عمری ہے اس میں ایک لفظ بھی وحی الٰہی کا نہیں ہے اور یہ اعتراض بالکل صحیح ہے۔ دنیا میں کہیں وحی الٰہی کا ایک لفظ بھی بجز قرآن کے موجود نہیں ہے۔ یہ امر واقعہ ہے اس کا کوئی جواب عیسائی مبلغین کے پاس نہیں ہے۔ اس لئے مستشرقین نے اپنی تحقیقات اسلامی کا سارا زور اس پر لگا دیا ہے کہ

قرآن مجید بھی اصلی نہیں ہے۔ لہٰذا قابلِ اعتماد نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے وہ عجیب عجیب دلائل پیش کرتے ہیں مثلاً علامہ گولڈزیہر اپنی کتاب مذاہب التفسیر الاسلامی میں لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کے ایک لفظ کی صحت بھی قابلِ اعتماد نہیں کیونکہ ابتداءً جب اسے لکھا گیا تو حروف پر نقطے نہیں تھے اس لئے لوگوں نے نہ جانے کیا لکھا تھا اور کیا پڑھا۔

ذرا غور فرمایئے اس فاضل مستشرق نے کیا بات پیدا کی ہے جس قوم میں مادرزاد اندھے حافظ رہے ہوں اور جس میں آج تک استاد سے شاگرد کی طرف علم کی منتقلی بذریعہ صوت و آواز ہو۔ اس میں نقطہ کی اہمیت کیا ہے۔ صحابہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے آواز سنتے تھے یا لکھی ہوئی تحریروں سے قرآن مجید یاد کرتے تھے۔ اور آج تک کسی مسجد یا کسی مدرسہ میں قرآن مجید بغیر معلم کی آواز کے بلیک بورڈ پر لکھ کر پڑھا جاتا ہے؟ قرآن مجید کی آواز۔ مد۔ سکون۔ وقف۔ سکتہ یہ سب کچھ بذریعہ روایت محفوظ ہے۔ اس کے لئے حروف اور نقطہ کی ضرورت ہی کہاں پڑتی ہے۔ شاید علامہ گولڈزیہر کا مقصد یہ ہے کہ جب وحی آتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے لکھوا کر اس لئے محفوظ فرما دیتے تھے کہ لوگ آکر مسجد میں رکھے ہوئے اس نوشتہ کو پڑھ لیں اور آپ کسی کو زبان سے کچھ نہیں سناتے تھے۔

یہی ہوتا کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم نابینا صحابی نے قرآن مجید کیسے یاد کیا۔ اور ناحرف شناس تو بہت سے حافظِ قرآن صحابہؓ میں موجود تھے۔

اسی طرح کی مہمل دلیلوں اور مغالطوں کے ذریعے حضرات مستشرقین یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ تورات شریف اور انجیل مقدس کی طرح قرآن مجید بھی دنیا سے ناپید ہو گیا۔ اسی طرح سیرۃ طیبہ اسلامی تاریخ اور فقہ اسلامی میں طرح طرح کے شک پیدا کرنے کی کبھی بالارادہ کوششیں کرتے ہیں اور کبھی نقصِ مطالعہ اور غرورِ علم و فضل کی آمیزش سے ایسی باتیں لکھتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔

سنئے ایک مبلغ اور مستشرق ہیں "لوئی وینڈرین" انہوں نے ایک علمی مجلس میں یہ اعتراض کیا کہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے گھر حضرت زبیرؓ اکثر آتے جاتے تھے اور کبھی کبھی وہاں سو بھی جاتے تھے ام المومنین ان کے سر میں کنگھی بھی کر دیتی تھیں۔ حالانکہ اسلام میں کسی عورت کا غیر مرد سے اس طرح خلا ملا جائز نہیں ہے۔ اس اعتراض کے بعد جب انہیں بتایا گیا کہ حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ حضرت زبیرؓ کی حقیقی پھوپھی تھیں اور انہی نے بچپن میں ان کو پالا تھا کوئی غیر نہ تھیں۔ تو نہایت معصومیت سے کہا:۔

"اچھا یہی بات ہوگی"

مثالوں سے بات بڑی طویل ہو جائے گی۔ لہٰذا اس گفتگو کو ختم کرتا ہوں۔ خلاصہ یہ ہے:۔

۱۔ عیسائی اور یہودیوں کو ہمیشہ ہی سے اس کا صدمہ رہا ہے کہ اسلام نے شام و عراق ۔ مصر و مراکش میں کیوں قدم جما لئے۔ اس کا انتقام لینے کے لئے انہوں نے تلوار کے ساتھ ساتھ قلم سے بھی کام لیا اور لے رہے ہیں ۔ اور ہمیشہ کام لیتے رہیں گے ۔ مسلمانوں کو چوکنا رہنے کی ضرورت ہے ان سے کوئی شکایت نہیں ہے شکایت کرنا بزدلی ہے ۔ اور چوکنا رہنا ہوشیاری اور دانائی ہے ۔

۲۔ عیسائی مبلغین جو ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں وہ کسی مذہب کے مبلغ نہیں ۔ کبھی وہ استعماری حکومتوں کے ہراول دستے تھے اور اب یورپین تہذیب و تمدن کے نقارچی ہیں ۔ جنہیں بیش قرار تنخواہیں سیاسی مصالح اور تجارتی مقاصد کی تکمیل کے لئے دی جاتی ہیں ۔ یہ مبلغ بھی ہوتے ہیں اور پروفیسر بھی اور کبھی کوئی اور روپ بھی دھار لیتے ہیں ۔

۳۔ کسی کی بات کو بغیر تنقیح و تحقیق کے قبول نہیں کیا جا سکتا ۔ اس لئے مستشرقین کے علم و فضل سے مرغوب ہو کر کوئی بات قبول نہیں کی جا سکتی ۔ رہی اچھی اور سچی بات تو یہ دوست سے ملے یا دشمن سے ۔ کلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن اینما وجدت فھو احق بھا کلمہ حق مومن کا کھویا ہوا مال ہے جہاں کہیں مل جائے مومن ہی اس کا زیادہ حق دار ہے ::

وضو قائم رکھنے کے لئے جوتے پہننا بہت ضروری ہے ہر مسلمان کی کوشش ہونی چاہیئے کہ اس کا وضو قائم رہے ۔
سروس انڈسٹریز
پائیدار ۔ دلکش ۔ موزوں اور واجبی نرخ پر جوتے بناتی ہے
Servis
سروس شوز
قدم قدم حسین قدم قدم آرام